کتاب نما

قرآن کریم میں نظم و مناسبت، ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔ ملنے کا پتا: علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲۔ صفحات: ۳۶۸۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

قرآن حکیم پر بعض مستشرقین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس میں نظم و ترتیب کا فقدان ہے، مثلاً ولیم میور نے لکھا ہے کہ اس میں حد درجہ بے نظمی اور بے ترتیبی پائی جاتی ہے، مضامین ایک دوسرے کے ساتھ گڈ مڈ ہیں اور اس میں نہ ترتیب زمانی ہے اور نہ معنوی، آیت کا جو ٹکڑا مدینے میں نازل ہوا، وہ مکی ٹکڑے سے پہلے آگیا ہے چنانچہ ہمارے لیے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ اس وقت قرآن جس شکل میں ہے، عہد نبویؐ میں بھی وہ اسی نظم و ترتیب سے تھا (**لائف آف محمد**، ۱/ ۷)۔

زیر نظر کتاب ابتدائی چھے صدیوں میں قرآنی نظم کے ادبی مطالعات اور نظریات پر مبنی ہے۔ کتاب کا ضمنی عنوان ہے: "دور اول کے علماے ادب و بلاغت کے افکار کا مطالعہ"۔ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے:

اول: نظم قرآن کی ابتدائی تاریخ۔ مصنف بتاتے ہیں کہ نظم اور مناسبت اس علم کی اہم اصطلاحات ہیں۔ اس بحث میں فاضل مصنف نے علما و مفسرین کے دونوں مکاتب فکر (نظم کے قائل اور نہ ماننے والے) کا غیر جانب داری اور عمدگی سے تجزیہ کیا ہے۔

دوم: نظم قرآنی کے ادبی مطالعات۔ فاضل مصنف کے خیال میں دور اول میں قرآن کا اعجاز اس کے دروبست، فواصل و قوافی کے نظام، استعارات و تشبیہات کے استعمال اور کنایاتی طرز تحریر میں زیادہ نمایاں کیا گیا (ص ۶۱)۔ مصنف نے متعدد علماے ادب و بلاغت کو بحث کا موضوع بنایا ہے۔ ان میں سے بعض عقائد کے لحاظ سے معتزلہ اور اشاعرہ بھی ہیں مگر انھوں نے قرآن حکیم کے ادبی اعجاز اور نظم و مناسبت کے معجزانہ اسلوب پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔

سوم: نظم قرآن کے پہلے مصنف عبدالقاہر جرجانی کے حالات و خدمات کا ذکر، پھر جرجانی پر چند جدید مطالعات کا جائزہ۔ ڈاکٹر فلاحی کے مطابق جرجانی بڑے زور و قوت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن اپنی بلاغت و فصاحت کی وجہ سے دائمی معجزہ ہے۔ ان کے خیال میں ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا ہے جس کے ذریعے

وہ اپنی نبوت کو ثابت کرتا رہا ہے۔ نبی اکرمؐ کا معجزہ قرآن ہے۔ فاضل مصنف نے جرجانی کا مطالعہ متعدد پہلوؤں سے کیا ہے۔ ان میں بلاغت اور نظم، فکر الفاظ و معانی اور نظم، علم نحو اور نظم، علم معانی اور نظم، علم بیان اور نظم اور علم بدیع اور نظم شامل ہیں۔ اس باب کی دوسری فصل میں ڈاکٹر فلاحی نے بتایا ہے کہ دور جدید میں مشرق و مغرب میں ہر جگہ جرجانی مکتب فکر پر تحقیقات ہو رہی ہیں۔ اس حصے میں مصنف نے ادب و بلاغت اور کلام کی بعض ایسی بحثوں کو بھی چھیڑا ہے جن سے قاری ان افکار و نظریات کے بہاؤ میں گم ہونے لگتا ہے اور موضوع کتاب اوجھل ہونے لگتا ہے۔

باب چہارم: علامہ زمخشری اور نظم قرآن۔ فاضل مصنف کے خیال میں علامہ زمخشری کی تفسیر الکشاف، قرآن حکیم کی ادبی و بلاغتی تفسیر ہے۔ زمخشری کے نزدیک قرآن حکیم دو پہلوؤں سے اعجازی صفت کا حامل ہے۔ ایک تو اپنے نادر الوجود نظم و ترتیب کی وجہ سے اور دوسرے غیب کی پیشن گوئیوں کی وجہ سے (ص ۲۰۴)۔ فاضل مصنف نے تفسیر الکشاف کے دیگر پہلوؤں سے بھی تعرض کیا ہے مثلاً: قرآن کا ادبی اسلوب، ربط آیات، نظم قرآن اور اختلاف قرأت اور تحقیق الفاظ وغیرہ۔

کتاب کے مذکورہ مباحث و مندرجات کے مطالعے کے بعد قاری کو تشنگی اور طلب کا مزید احساس ہوتا ہے۔ وہ قدیم علماے ادب اور مفسرین کے ساتھ ساتھ جدید اور عصر حاضر کی تفاسیر میں بھی نظم و مناسبت کی جھلک دیکھنے کا آرزومند ہے۔ ڈاکٹر فلاحی نے دیباچے میں اپنی جس موعودہ تصنیف کا ذکر کیا ہے امید ہے وہ اس تشنگی کو دور کر دے گی۔

آخر میں خلاصہ بحث، منتخب کتابیات اور حواشی و تعلیقات کا اہتمام ہے، مگر قرآنی آیات پر اعراب نہیں، نہ رموز اوقاف کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر ناموں میں یکسانیت نہیں مثلاً ابن عربی (ص ۳۰)، ابن العربی (ص ۵۴)۔ کئی جگہ حمید الدین فراہی کو عبدالحمید فراہی لکھا گیا ہے۔ ص ۲۳۲ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام درج ہو گیا ہے۔ پروف خوانی پر بھی خصوصی توجہ کی ضرورت تھی۔ ان پہلوؤں سے قطع نظر، مجموعی طور پر یہ کتاب قرآنیات کے ایک اعجازی پہلو پر منفرد اور خوب صورت اضافہ ہے (عبداللہ صالح)۔

پاکستانی جامعات میں عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ میں تحقیق، سفیر اختر۔ ناشر: ندوۃ المعارف، ۱۳ کبیر سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۲۳۔ قیمت: ۱۵ روپے کے ڈاک ٹکٹ۔

فاضل مقالہ نگار نے یہ تحریر ایک سیمی نار میں پڑھنے کے لیے لکھی تھی۔ مقالے کا عنوان نفس مضمون کی توضیح کرتا ہے۔ مقالے کے نصف اول میں برعظیم میں انگریزوں کی آمد اور یہاں کی تعلیمی زندگی پر ان

کے اثرات کا ذکر ہے۔ بقیہ نو صفحات میں مولف نے پاکستان کی جامعات میں اسلامیات اور عربی میں تحقیق پر کلام کیا ہے۔ اس میں سے بھی بیش تر حصہ پالیسی بیانات یا اداروں کے قیام کے تذکرے پر محیط ہے۔

یوں تو ہماری جامعات کے بیش تر شعبہ جات تدریسی و تحقیقی انحطاط کا شکار ہیں، لیکن خاص طور پر عربی اور علوم اسلامیہ کی حالت خاصی دگرگوں ہے۔ دینی درس گاہوں میں تقلید و جمود اور فقہی تنگ نظری نے ملی امنگوں اور توقعات کے بار آور ہونے میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ البتہ بین الاقوامی جامعہ اسلامیہ، اسلام آباد اس مایوس کن صورت حال میں نخلستان کا سا منظر پیش کرتی ہے، مگر فاضل مقالہ نگار کے بقول: علوم جدیدہ کو اسلامی بنیادوں پر استوار [کرنے کے لیے] جامعہ کوئی فکری پیش رفت کرنے میں تاحال چنداں کامیاب نہیں۔ سماجی علوم، علوم کی تدریس میں جامعہ کو زیادہ دلچسپی نہیں ہے (ص ۱۶)۔ ہم سمجھتے ہیں، بہت معیاری یا مثالی نہ سہی، مگر دوسری تمام جدید ملکی جامعات کے مقابلے میں اس جامعہ کو ان میدانوں میں بہرحال ایک امتیاز حاصل ہے۔ وژن میں وسعت کے ساتھ انگریزی اور عربی کا ایسا فہم اور اسلامی فکر سے ایسا تعلق دوسری جامعات میں خال خال دکھائی دیتا ہے۔

جامعات کی تحقیقی سرگرمیوں کے ذیل میں انھوں نے بتایا ہے کہ تحقیقی مقالات غور و فکر سے زیادہ جمع آوری کی روایت کے اسیر ہیں۔ مقالات کے موضوعات کا تعلق "حال" سے زیادہ "ماضی" سے ہوتا ہے اور طالب علم عام طور پر قلمی مخطوطات کی ترتیب و تدوین کو ترجیح دیتے ہیں، بہت ہوا تو آیات اور احادیث کی تخریج کر دی، یا پھر شخصیات کے احوال و آثار پر داد تحقیق (ص ۱۸)۔ صورت حال واقعی یہی ہے۔ حال کے بجاے ماضی پر زیادہ لکھا جانا اسی طرح رائج ہے جس طرح زیر نظر مقالے میں ماضی اور اصولی باتوں پر زیادہ کلام کیا گیا ہے اور جامعات کی عملی صورت کا جائزہ فقط چند سطور میں پیش کیا گیا ہے جس سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ باقی جہاں تک احوال و آثار یا قلمی مخطوطات پر کام کا تعلق ہے تو یہ کام بھی دوسرے درجے کا کام نہیں، بشرطیکہ ان کاموں میں معیار کو پیش نظر رکھا جائے جس کی فی الواقع کمی ہے۔

. جامعات کی سطح پر ہر مضمون اور شعبے کے بارے میں الگ الگ اور جامع تجزیاتی مطالعے پیش کرنے کی ضرورت ہے جن میں ان کے تدریسی لوازمے، تکنیک اور تدریسی عملے کی صلاحیت و استعداد کو بھی زیر بحث لایا جائے اور موازنہ کیا جائے۔ نصابات میں تازہ کاری کی روایت کو پرکھا جائے، پھر تحقیقی ذوق اور سرگرمیوں پر ہمہ پہلو کلام کیا جائے کیوں کہ کسی بھی شعبے کی تحقیقی سرگرمیوں کو اس کے تدریسی ماحول سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا (سلیم منصور خالد)۔

Pakistan: Chronology 1947-97 (پاکستان: ماہ و سال کے آئینے میں ۹۷-۱۹۴۷)، مرتب:

جاوید اقبال غوری۔ انچارج: بیگم سعیدہ طاہر خیلی۔ ناشر: نظامت عمومی برائے قلم و مطبوعات' وفاقی وزارت اطلاعات و فروغ ابلاغیات' زیرو پوائنٹ' اسلام آباد۔ صفحات: ۹۴۲+۳۲ (مجلاتی سائز) مع اشاریہ۔ قیمت: درج نہیں۔

پاکستان کی نصف صدی پر محیط تاریخ کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک ایسا اعمال نامہ ہے' جس میں حکمرانوں کے ساتھ پاکستان کے تمام شہری بھی درجہ بہ درجہ حصے دار ہیں۔ دو سال پہلے منعقدہ' پاکستان کی طلائی تقریبات کا زیادہ تر زور میلوں ٹھیلوں پر رہا۔ اس کے باوجود حکومتی سطح پر معدودے چند اچھے اقدامات بھی ہوئے' ان میں سے ایک زیر تبصرہ کتاب کی تیاری و اشاعت ہے۔

حوالے کی اس کتاب کا بنیادی مصدر روزنامے ہیں' جن سے سال بہ سال' ماہ بہ ماہ اور روز بروز رونما ہونے والے واقعات' حوادث' اعلانات' اقدامات' وفیات اور معاہدات کو مختصر الفاظ میں ریکارڈ کر دیا گیا ہے۔ بہت سے اہم وقوعات و اقدامات جو ہمارے پالیسی سازوں' تحقیق کاروں اور سیاسی قائدین کی نظروں سے محو ہو چکے ہیں' زیر نظر کتاب کی مدد سے ذہنوں میں تازہ کیے جا سکتے ہیں۔

یہ ہزاروں واقعات کی قاموس ہے' یہاں چند ایک کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ ۱۴/اگست ۱۹۴۷: علامہ شبیر احمد عثمانی نے کراچی اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے ڈھاکہ میں منعقدہ خصوصی تقریبات میں پاکستان کے پرچم لہرائے (ص ۱۹)۔ ۱۲ ستمبر' ۱۹۴۷: کانگریس اور حکومت کشمیر کے درمیان خفیہ مذاکرات ہوئے (ص ۲۳)۔ یکم نومبر ۱۹۴۷: قائداعظم نے لاہور میں ماؤنٹ بیٹن سے کشمیر کے مسئلے پر مذاکرات کیے (ص ۲۸)۔ ۲۰ نومبر ۱۹۴۷: پاکستانی وفد نے اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین پر بحث کا آغاز کیا (ص ۲۹)۔ ۴ فروری ۱۹۴۹: پنجاب یونی ورسٹی میں شعبہ دائرۃ المعارف اسلامیہ قائم کیا گیا (ص ۴۲)۔ ۲۶ فروری ۱۹۴۹: پارلیمنٹ نے عصمت فروشی کے خاتمے کا قانون منظور کیا (ص ۴۳)۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰: وزیراعظم لیاقت علی خاں نے دستور کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پیش کی (ص ۵۱)۔ ۲۴ جنوری ۱۹۵۱: اسلامی ریاست کے قیام کے لیے مختلف مکاتب فکر کے علما نے بائیس نکات پر مشتمل مشترکہ فارمولا پیش کیا (ص ۵۳)۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵: سندھ چیف کورٹ نے جاگیرداری نظام کے خاتمے کے لیے حکومتی فیصلے کے خلاف حکم امتناعی جاری کیا (ص ۹۲)۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵: مشرقی بنگال کا نام تبدیل کر کے مشرقی پاکستان رکھا گیا (ص ۱۰۱)۔ یکم مارچ ۱۹۵۶: حکومت پاکستان نے طاقت ور ایٹمی توانائی کمیشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا (ص ۱۰۵)۔ ۳۰ مارچ ۱۹۷۲: خان عبدالولی خان نے لائل پور بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہمارے نزدیک اب پختونستان کوئی مسئلہ نہیں رہا (ص ۲۸۷)۔ ۸ جون ۱۹۷۲: مسٹر بھٹو کی پالیسیوں کے معروف نقاد' جماعت اسلامی کے رہنما اور قومی اسمبلی کے رکن ڈاکٹر نذیر کو ان کے کلینک میں گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ جماعت نے اس قتل کا الزام حکمران پارٹی پر لگایا ہے (ص ۲۸۴)۔ ۲۸/اکتوبر ۱۹۷۲: صدر بھٹو نے جنوبی ایشیا کو نیوکلیر فری زون بنانے کی تجویز پیش کی

(ص ۳۹۵)۔

دو تین باتیں توجہ طلب ہیں:

اول: واقعات کو چننے یا چھوڑنے کے لیے صوابدید تو مرتب ہی کی ہوتی ہے، لیکن جان بوجھ کر واقعات کی ٹیلرنگ کرنا نامناسب ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسا بہت زیادہ نہیں کیا گیا پھر بھی کہیں کہیں پر ایسا کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر "۱۰ دسمبر ۱۹۷۲: لاہور میں طلبہ کی ایک تعداد کو گرفتار کر لیا گیا" (ص ۳۹۶)۔ یہ جملہ ادھورا سچ ہے۔ تمام اخبارات نے ان گرفتاریوں کا محرک یہی لکھا تھا: بنگلہ دیش نامنظور تحریک کے سلسلے میں اسلامی جمعیت طلبہ کے حمایت یافتہ منتخب طلبہ نمایندوں کے کنونشن سے طلبہ کو گرفتار کیا گیا۔ مذکورہ صفحے پر سیاق و سباق سے کٹے ہوئے جملے کو پیش کرنے سے اس قاموس کی روح متاثر ہوتی ہے۔

دوم: چودہ کروڑ باشندگان پاکستان کی سرکاری اور قومی زبان اردو ہے۔ کیا ان کے قیمتی وسائل سے ایسی تمام دستاویزات محض انگریزی ہی میں پیش کرنا ناگزیر ہے؟ حالانکہ انگریزی سے استفادہ کرنے والے تو اقلیت میں ہیں۔ کیا یہ اردو قارئین کی اکثریت کی حق تلفی نہیں کہ ریاست کے تمام وسائل اس چہیتے طبقے کے لیے وقف کر دیے جائیں؟ کارپردازان ریاست و حکومت کو اس غلامانہ ذہنیت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ یہ اور اس طرح کی تمام دستاویزات اور قانون سازی سے متعلق تمام وثائق کو بہ یک وقت اردو میں بھی شائع کرنا چاہیے۔ یہ محض ایک خواہش کا اظہار نہیں، بلکہ خود دستور پاکستان کا بھی تقاضا ہے۔

سوم: افراد کے انتقال کی خبر کے ساتھ توسین میں پیدایش کی تاریخ بھی دی جانی چاہیے تھی۔

چہارم: پہلے دس سال کے واقعات کا اندراج بہت کم ہے، پھر اگلے پندرہ برسوں کا نسبتاً زیادہ اور اس کے بعد کے ۲۵ برس خاصی تفصیل لیے ہوئے ہیں۔ اگر ایک جلد کے بجاے اسے دو حصوں میں تیار اور شائع کیا جاتا تو، پاکستان کے تشکیلی دور کی مفصل تصویر سامنے آجاتی۔

اس کے باوجود یہ کتاب ایک اہم دستاویز کا درجہ رکھتی ہے (س - م - خ)۔

تحریک علی گڑھ تا قیام پاکستان و قرارداد مقاصد ڈاکٹر ایچ بی خان۔ ناشر: الحمد اکادمی، ۲۔ جے، ۱۸ ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰۔ صفحات: ۳۶۶۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

سرسید احمد خان اور ان کی تحریک علی گڑھ پر گذشتہ صدی میں بیسیوں کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ زیر نظر کتاب، بانی تحریک کے سوانح اور تحریک کی تاریخ کو باہم آمیز کر دینے کے عزم سے لکھی گئی ہے اور اس کی اشاعت سرسید یونی ورسٹی کراچی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے "جشن سرسید" (۲۱ تا ۲۷ مارچ ۱۹۹۸) کے موقع پر عمل میں آئی تھی۔

کتاب ۱۹ ابواب پر مشتمل ہے جن میں سرسید کے سوانح سے لے کر سید جمال الدین افغانی کے ہاں اسلام ازم، شبلی اور دارالمصنفین، رفقاے سرسید: نواب محسن الملک، نواب وقار الملک کے سوانح، ہندستانی سیاست میں علما کا کردار، مختلف قومی تحریکوں، ریشمی رومال، خدام کعبہ، عدم تعاون، ہجرت اور برعظیم کی مختلف سیاسی جماعتوں کانگرس، مسلم لیگ، احرار، جمعیۃ العلماے ہند وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مصنف ایک "ریسرچ اسکالر" ہیں اس لیے کتاب محققانہ طریقے پر مرتب کی گئی ہے۔ ہرباب کے آخر میں متعلقہ حواشی درج ہیں۔ آخر میں کتب اردو، کتب انگریزی، اخبارات و جرائد، ذاتی خطوط، اور رودادوں وغیرہ کی ایک طویل فہرست ہے جن سے مصنف نے تصنیف میں استفادہ کیا ہے۔ حوالہ جات و حواشی اور مطالب و مندرجات سے فاضل مصنف کی اس محنت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے اس کتاب کی تصنیف میں اٹھائی ہے۔ کتاب کے آخر میں درج اشتہارات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف اس سے پہلے بھی برعظیم کی سیاسی تاریخ پر کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں تحریک آزادی کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی توجہ کی گئی ہے جو بالعموم جدوجہد آزادی کے مورخوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ جاتے ہیں۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف، سرسید کے حوالے سے واضح نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے ایک طرف تو سرسید کی کاوشوں کو "حقیقت پسندی اور آفاقی و فطری رجحانات سے دور" (ص ۲۴۴) قرار دیا ہے اور دوسری طرف سرسید کا کارنامہ یہ بتایا ہے کہ انھوں نے قوم میں مذہبی جوش اور جذبے کو ابھار کر اسے ایک چٹان کے مانند بنا دیا (ص ۲۴۵)۔ کیا آفاقی و فطری رجحانات سے دور رہ کر بھی مذہب کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں؟ اور کیا سرسید کے مذہبی افکار و نظریات کو قوم میں اس قدر مقبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ ان کی بنا پر چٹان بن گئی؟

اگر فاضل مصنف اشاعت سے قبل مسودے پر بہ غور نظرثانی فرما لیتے تو مناسب ہوتا کیونکہ بعض جملے کمزور رہ گئے ہیں اور بعض مقامات پر مطلب بھی خبط ہو گیا ہے، مثلاً: انھوں نے پریس میں ان کے خلاف اشاعت کے لیے مواد لکھنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا (ص ۱۰۴) یا بعد المشرقین کا فرق (ص ۱۰۷) یہ لکھنے کے بعد کہ مولانا محمد علی جوہر کو علی گڑھ میں استاد کی حیثیت سے پڑھانے کا موقع نہیں ملا، مصنف نے لکھا ہے: وہ اپنے دل سے مادر درس گاہ کی خدمت اور ناکامی کے احساس کو فراموش نہ کر سکے جو بطور استاد وابستہ ہونے کی بنا پر ان کو محبت تھی (ص ۱۰۵)۔

مصنف نے ثانوی مآخذ فراخ دلی سے استعمال کیے ہیں یہاں تک کہ قرآن مجید (سورۃ احزاب) کا حوالہ بھی موج کوثرؒ کے حوالے سے درج کیا ہے (ص ۱۱۹)۔

کتاب کے نام میں جو تطویل ہے اس نے نام کو غیر متوازن بنا دیا ہے۔ اس طرح کے پہلوؤں کو دوسری

اشاعت میں بہتر کیا جا سکتا ہے۔ مجموعی طور پر کتاب دلچسپ اور معلومات افزا ہے (ظاہر مبین عاصم)۔

اسلامی کلچر، محمد مارما ڈیوک پکتھال، ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب منیر۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۱۶۸۔ قیمت: ۱۰۰ روپے، مجلد۔

پکتھال (۷ / اپریل ۱۸۷۵ ۔ ۱۹ مئی ۱۹۳۶) برطانیہ کے شہری تھے۔ ۲۹ نومبر ۱۹۱۷ کو اسلام قبول کیا، ۱۹۲۰ میں وہ ہندستان آئے، ۱۹۳۰ میں انھوں نے قرآن حکیم کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ زیر تبصرہ کتاب مدراس میں "اسلامی کلچر" پر ان کے خصوصی خطبوں کے اردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ اس سے قبل بھی یہ کتاب دو مختلف افراد کی کاوش سے اردو ترجمے کا روپ دھار چکی ہے۔ محمد ایوب منیر ایک مشاق مترجم ہیں، تاہم انھوں نے یہ وضاحت نہیں کی، کہ پہلے ترجموں کی موجودگی میں، وہ کس پہلو سے ترجمے کی کمی محسوس کر رہے تھے جس کے لیے انھوں نے یہ مہم سر کی، یا یہ کہ انھوں نے کس ترجمے سے استفادہ کیا۔

یہ کتاب پڑھ کر مصنف پر رشک آتا ہے کہ ایک غیر اسلامی تہذیب میں پروان چڑھنے کے باوجود انھوں نے نہایت تیزی سے اسلامی تاریخ و تعلیمات پر دسترس حاصل کر لی کہ وہ اسلام پر مغرب کے بے سروپا الزامات و اتہامات کی تردید اور اسلامی فکر کو پیش کرنے کے لیے وقف ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ذہنی غلامی اور فکری مرعوبیت کے اس مقام پر کھڑا تھا کہ تصور کر کے ہی شرم آتی ہے۔ مصنف نے جو لکھا ہے، اور جس خوب صورتی سے مافی الضمیر کو پیش کیا ہے، اس کا احاطہ کسی تبصرے میں ممکن نہیں، اس روشنی اور لذت کے لیے کتاب کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

عیسائیوں کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈے کا تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا ہے: "عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں میں مذہبی دیوانگی اور مخالفت کا جذبہ نہیں پایا جاتا" (ص ۳۱)۔ آج کوسووا اور بوسنیا کے واقعات کو ذہن میں رکھیے اور یہ پڑھیے: "یونان کی ۱۸۲۱ کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا، اور مسجدوں کی لفظاً و معناً اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ کیا یہ ایک تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ بلقان میں مسلمانوں کی اکثریت کو عام یورپ کی تائید اور حمایت کے ساتھ پوری ہولناکی اور بے دردی سے اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا" (ص ۸۲)۔ بون کی ۱۸۲۱ کی جنگ آزادی میں موریہ کی تین لاکھ مسلم آبادی کے مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سبھی شہید کر دیے گئے بلکہ یونان کے شمالی علاقوں میں بھی مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دیا گیا لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ یورپین تاریخ میں اس قتل و غارت کا ذکر تک نہیں کیا گیا" (ص ۱۰۳)۔ عیسائی پادریوں نے باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ ان [عیسائیوں] کے مذہبی جنون کو پختہ کیا، [اور] انھیں بتایا کہ مسلمان کا قتل کار ثواب ہے (ص ۱۰۳)۔ ان کے

برعکس "رواداری اسلام کی سب سے بڑی قوت ہے" (ص ۱۰۴)۔

پکتھال جدیدیت زدہ مسلمانوں کے ذہنی افلاس کو مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آج ہر مسلمان یہ چاہتا ہے کہ شریعت [اسلامی] اپنی اولین اور خالص شکل میں عصر حاضر کے حالات و مسائل پر منطبق کر دی جائے (ص ۱۵۸)۔ مسلمانوں کے لیے حکومت خواہ انتخاب کے ذریعے برسراقتدار آنے والے صدر کی صورت میں ہو یا کوئی اور دوسرا نظام کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ ان کی تمام تر دلچسپی تو حکومت الٰہیہ میں ہے" (ص ۱۵۹)۔ کتاب کا غالب ترین حصہ ایسی ہی ایمان افروز سوچ سے گندھا ہوا ہے لیکن بعض مقامات پر ان کے طرز استدلال سے اتفاق ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر چہرے کے پردے کو وہ ایک "احمقانہ مصیبت" (ص ۱۲۵) قرار دیتے ہیں۔ البتہ اپنی راست روی کی وجہ سے وہ آگے چل کر یہ بھی کہتے ہیں: "جب مسلمان عورتیں اپنی آزادی پر بحث کریں تو انھیں اسلامی نصب العین پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وگرنہ چشمہ حیات کے عوض سراب کی لامتناہی جستجو میں مبتلا ہو جائیں گی" (ص ۱۴۲)۔

پکتھال نے جو احادیث پیش کی ہیں ان میں بعض کی سند بہت کمزور ہے۔ مثال کے طور پر: "عالم کی روشنی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے" (ص ۱۷) یا "رب کی پیدا کردہ کائنات پر ایک گھنٹے غور و فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے" (ص ۱۷) یا پھر: "علم حاصل کرو، خواہ تمھیں چین جانا پڑے" (ص ۱۶، ۴۳، ۶۵)۔ اس لیے مترجم کی ذمہ داری تھی کہ وہ آیات کے درست حوالے دیتے، متن پیش کرنے کا اہتمام کرتے اور احادیث نبویؐ کے حوالے اور متن پیش کر کے تخریج کرتے۔ اس سے موضوع، ضعیف اور متروکات کی نشان دہی ہو جاتی۔ مصنف سے اگر کوئی کوتاہی رہ جائے تو مترجم یا مرتب کو اپنے نوٹس یا حواشی میں اس کمی کو ضرور دور کرنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب کے تمام ہی ابواب میں کچھ حوالہ جات کے نمبر دیے گئے ہیں مگر ان حوالہ جات کا متن کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔ سید سلیمان ندوی نے مدراس میں سیرت رسولؐ پر خطبات دیے تھے۔ مترجم نے انھیں "نقوش سلیمانی" قرار دیا ہے (ص ۷)۔ حالانکہ یہ کتاب ان کے مختلف مضامین و خطبات کا مجموعہ ہے، البتہ سیرت پر جو خطبات دیے، انھیں خطبات مدراس ہی کہا جاتا ہے۔

بہرحال اردو خواں طبقے کے لیے ایک اچھی قابل قدر دستاویز ہے (س - م - خ)۔